© rasailojaraid.com

ائمہ مجتہدین و محدثین اور نقد حدیث کے اصول

تحریر: عبدالحمید خان عباسی لیکچرار، انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونیورسٹی آف آزاد جموں اینڈ کشمیر، میرپور کیمپس، آزاد کشمیر

اس سے قبل کہ ائمہ مجتہدین و محدثین کے روایتی و درایتی اصول اور احادیث کی تحقیق و جانچ پرکھ میں ان (اصولوں) کے استعمال کے انداز و طرق بیان کئے جائیں مناسب رہے گا کہ تمہیداً بالاختصار حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو بیان کیا جائے کیونکہ یہ (یعنی اہمیت حدیث) ایک ایسا پہلو ہے جس کی بنیاد پر (یا جس کے پیش نظر) ملت اسلامیہ کے علماء کرام نے روایتی و درایتی اصول وضع فرمائے۔

اہمیت حدیث کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ اسلام کے اعتقادی و عملی احکام کا پہلا اساسی مصدر قرآن مجید اور دوسرا سنت نبوی ہے۔ اول الذکر مصدر ان احکام کا اجمال ہے اور ثانی الذکر ان کی تفصیل و توضیح ہے گویا دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ان کے آپس میں تعلق و ربط کو علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

۱۔ "علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا رہتا ہے۔ آیات کا شان نزول اور ان کی تفسیر، احکام القرآن کی تشریح و تعیین، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص، مبہم کی تعیین سب علم حدیث کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں" (۱)۔

۲۔ "اس طرح حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، حیات طیبہ اور آپ کے اخلاق و عادات مبارکہ، اقوال و اعمال، سنن و مستحبات اور احکام و ارشادات اسی علم کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں" (۲)۔

۳۔ اسی طرح خود اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال اور ان کے اعمال و اقوال اور اجتہادات و استنباطات کا خزانہ بھی اسی (علم حدیث) کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ (۳)

۴۔ علامہ ندوی رحمہ اللہ آخر میں فرماتے ہیں: "اسی بناء پر یہ کہا جائے تو صحیح ہے کہ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں ہمیشہ کے لیے قائم ہے اور انشاء اللہ تا قیامت رہے گا" (۴)۔

علامہ جعفر الکتانی فرماتے ہیں:

"یقیناً وہ علم جو ہر ارادہ رکھنے والے کیلئے ضروری ہے اور ہر عالم و عابد کو اس کی ضرورت پڑتی ہے وہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم حدیث و سنت ہے یعنی جو بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنی امت کے لیے مشروع و مسنون قرار دیا ہے"(۵)۔

اس کے بعد علامہ کتانی رحمہ اللہ(۱۳۴۵ھ) نے یہ اشعار نقل کئے ہیں:

"دین النبی و شرعہ اخبارہ   واجل علم یقتضی آثارہ

من کان مشغلاً بھا و بنشرہ   بین البریۃ لاعقت آثارہ"(٦)

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اور شریعت آپ ﷺ کی اخبار (احادیث) ہیں اور یہ وہ عظیم علم ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے جو اس میں اور اس کی نشرواشاعت میں مشغول ہو اس کے آثار (نشانات) مخلوق میں باقی رہتے ہیں۔)

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ضرورت واہمیت اور عظمت ورفعت کے پیش نظر آغاز اسلام ہی سے مسلمانوں نے انھیں پوری محنت اور اخلاص وعقیدت سے سمجھنے اور عملی زندگی میں اپنانے کے ساتھ ساتھ محفوظ و مدون کرنے کا اہتمام بھی کیا اور ایسی خدمات سرانجام دیں جن کی دنیا کے دیگر مذاہب میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ مولانا محمد علی صدیقیؒ کاندھلوی نے حافظ ابن حزم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

"۔۔۔۔۔اقوام عالم میں کسی کو بھی اسلام سے پہلے یہ توفیق میسر نہیں ہوئی کہ وہ اپنے پیغمبر کی باتیں صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کرسکے یہ شرف صرف ملت اسلامیہ کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کلمہ کو صحت واتصال کے ساتھ جمع کیا۔ آج روئے زمین پر کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو اپنے پیشوا کے ایک کلمہ کی سند بھی صحیح طریق پر پیش کرسکے۔اس کے برعکس اسلام نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ایک ایک گوشہ کو پوری صحت واتصال کے ساتھ محفوظ کیا"(۷)۔

مسلمانوں کا یہ بے مثل اہتمام مجرد حفظ وتدوین تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنان اسلام کے حملوں سے بچانا، صحیح وسقیم احادیث میں امتیاز برقرار رکھتے ہوئے پوری صحت واتصال کے ساتھ نسل درنسل انہیں منتقل کرنا بھی تھا تاکہ مدوّنہ ذخیرۂ احادیث شکوک وشبہات سے اسقدر بلند و بالا ہوکہ ہر فرد، خواہ وہ اپنوں میں سے ہو یا اغیار میں سے، دیکھتے ہی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائے کہ یہ ذخیرہ ہر قسم کی ملاوٹوں و آمیزشوں سے پاک ہے اور حفاظت وصیانت کے اس بندوبست سے بڑھ کر کوئی اور ممکن نہیں۔

ان اعلی وارفع مقاصد کے حصول کی خاطر مسلمانوں نے ابتدائی طور پر روایت و درایت کی صورت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بے مثل تحقیقی اصول وضع کرنے کی نہ صرف طرح ڈالی بلکہ عملاً انھیں استعمال میں لایا اور آئندہ آنے والوں کے لئے انتہائی مضبوط بنیادیں فراہم کیں جن پر قائم ہونے والی عالی شان عمارات آج اسلامی ملت کے پاس بڑی بڑی ضخیم مدونات احادیث کی شکل میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر نجم الاسلام نے ان اصولوں کی بابت یوں ذکر کیا ہے:

"۔۔۔۔۔۔محدثین نے روایت و درایت کے جو اصول تحقیق منضبط کیے ہیں ان پر جس قدر فخر کیا جائے کم ہے۔(۸)

محدثین کے اصول روایت و درایت

ان تمہیدی کلمات کے بعد ہم محدثین حضرات کے دونوں اصولوں کے متعلق الگ الگ بحث کریں گے:

اولاً۔ اصول روایت

ان سے مراد محدثین کرام کے وضع کردہ وہ سنہری قواعد وضوابط ہیں جن کے ذریعہ روایان (ناقلین) حدیث کے متعلق تحقیق کی جاتی ہے کہ وہ کس معیار کے لوگ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ان اصولوں کی روشنی میں سند حدیث کی چھان پھٹک کی جاتی ہے۔ اس چھان بین کو "خارجی نقد" یا "نقد سند" کہتے ہیں جبکہ متن حدیث کی چھان بین کو "داخلی نقد" یا "نقد متن" کہتے ہیں۔ اس کا ذکر اصول درایت کے تحت آئے گا۔

محدثین کے اصول روایت کے لحاظ سے راویوں سے حصول حدیث کے وقت بنیادی طور پر ان امور کو دیکھا جاتا ہے:

"راویوں کی عدالت وثقاہت، اتصال سند، طبقات سند میں راویوں کی تعداد، منبع روایت اور طریق روایت۔ یہی وہ اساسی امور ہیں جو مختلف اعتبارات سے احادیث کی تقسیم کا سبب بنے ہیں"(۹)

ان امور کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

ماخذ

اصول روایت وضع کرنے اور ان کے ذریعہ راویان حدیث کی صداقت معلوم کرنے کا اصلی ماخذ قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

یایها الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوآ ان تصیبواقوما بجهالة فتصبحوا علی مافعلتم ندمین(۱۰)

(اے ایمان والو اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق (بد کردار، شریر، غیر ذمہ دار شخص) کوئی (اہم)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو۔)

اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی فاسق یعنی گنہگار آدمی کسی اہم بات کے متعلق آکر بتائے تو فوراً اس کی بات پر یقین نہیں کر لینا چاہیے بلکہ قبولیت سے قبل تحمل مزاجی کے ساتھ اس کی بات کی اچھی طرح سے اس وقت تک تحقیق کرتے رہنا چاہیے جب تک کہ اس کی صحت و صداقت معلوم نہ ہو جائے۔ گویا تحقیق کے ذریعہ تلاش حقیقت کو ضروری قرار دیا گیا تاکہ بعد میں پچھتانا نہ پڑے اور نقصانات سے ان کے وقوع سے قبل ہی بچا جاسکے۔ اس تحقیق کا اہتمام اگر نہ کیا جائے اور صرف زبانی باتوں پر یقین کر لیا جائے تو آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

"کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع" (۱۱).

(آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ دلیل کافی ہے کہ جو کچھ سنے روایت کر دے) یعنی تحقیق نہ کرے قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی طرح یہ حدیث مبارک بھی روایت کے اصول تحقیق کا ماخذ ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی دونوں نے تحقیق کرنے کی ہدایت فرمائی، جس کے پیش نظر مسلمان ہر دور میں حفاظت و تدوین حدیث کے عمل میں نہ صرف محتاط رہے بلکہ جو کچھ سنا پہلے مکمل طور پر اس کی تحقیق کی حتی کہ بعضوں نے تو صحت حدیث معلوم کرنے کیلئے دور دراز کے سفر کیئے اور مختلف نوعیت کی مشکلات کا سامنا کیا، جیسا کہ مصادر سے پتہ چلتا ہے (۱۲)۔

تاریخی پس منظر

ذیل میں ہم تاریخی پس منظر کے طور پر روایت کے اصولوں کا بالاختصار جائزہ لیں گے تاکہ ایک جانب سے ان کے ایجاد کی تاریخ کا تعین ہوسکے اور دوسری جانب سے یہ بھی معلوم ہوسکے کہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ محدثین حضرات حدیث کی جانچ پرکھ میں کس طرح ان (اصولوں) سے کام لیتے رہے:

۱۔ صحابہ کرامؓ اور اصول روایت

صحابہ کرامؓ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے سر تحقیق کے اصول روایت کی طرح ڈالنے اور عملی طور پر انہیں استعمال کرنے کا سہرا ہے۔ انہیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات پاک سے انتہائی عقیدت و محبت اور والہانہ وابستگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حجاب حیات طیبہ کے معمولات سے بخوبی واقفیت تھی لیکن اس کے باوجود ان پاک نفوس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو قبول کرنے اور روایت کرنے کے عمل میں انتہائی محتاط رویوں و روشوں کا مظاہرہ کیا۔ ذیل میں اس سلسلہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱- حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ (۱۳ھ) کو قبول روایت کے سلسلہ میں محتاط روش اختیار کرنے میں اولیت حاصل ہے چنانچہ حافظ ذھبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) آپ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"کان اول من احتاط فی قبول الاخبار"(۱۳)

(یعنی وہ پہلے آدمی تھے جنہوں نے احادیث قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا)۔

حضرت قبیصہ بن زوٴیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "ایک دادی ابوبکر صدیقؓ کے پاس میراث مانگنے آئی تو آپؓ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں تیرے لیے کچھ حصہ مقرر نہیں اور نہ ہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں کوئی حدیث سنی ہے، تو واپس چلی جا میں لوگوں سے پوچھ کر دریافت کروں گا۔ ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں سے پوچھا تو مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ میں اس وقت موجود تھا، میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصہ دلایا تھا۔ ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ کیا کوئی اور آدمی بھی تمہارے ساتھ ہے (جو اس معاملے کو جانتا ہو) تو محمد بن مسلمہ انصاریؓ کھڑے ہوئے اور جیسا مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا تھا ویسا ہی بیان کیا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے (اس گواہی کی بنیاد پر پوتے کی میراث میں سے) اسے چھٹا حصہ دلادیا"(۱۴)۔

اس طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے طرز عمل سے تحقیق حدیث کیلئے "اصول شہادت" کی طرح ڈالی اور اس کے اول بانی قرار پائے۔ آپؓ کی قائم کی ہوئی اس بنیاد پر بعد میں دیگر تحقیقی و تنقیدی نوعیت کے علوم کی عظیم الشان اور بے نظیر عمارت تعمیر ہوئی، چنانچہ مولانا محمد محترم فہیم عثمانی لکھتے ہیں:

"۔۔۔بعد کے زمانوں میں احادیث کے لیے چھان بین، تحقیق و تلاش اور تنقید و تمحیص کے جتنے علوم وجود میں آئے ان سب کا منبع حضرت ابوبکرؓ کے جاری کردہ اسی چشمے سے پھوٹتا نظر آتا ہے، اسی طرح بعد کے زمانوں میں روایتوں میں قوت پیدا کرنے کے لیے محدثین کے درمیان توابع و شواہد(۱۵) کو جمع کرنے کا جو عظیم الشان سلسلہ شروع ہوا اس کی ابتداء گویا اسی دن سے ہوگئی تھی جس دن حضرت ابوبکر کی زبان سے، ھل معک احد، کے الفاظ نکلے تھے اور حضرت محمد بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر حضرت مغیرہ کی بیان کردہ روایت کے لیے اولین متابعت وشہادت مہیا کردی تھی"(۱۶) پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا محدثین میں توابع و شواہد کے جمع کرنے کا شوق زیادہ شدت پزیر ہوتا رہا۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ صرف ایک مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات" سات سو طریقوں سے مروی ہے، یعنی حدیث ایک ہے لیکن اس کی سندیں سات سو ہیں۔ اور یہ عدد بھی ایک خاص نقطہ نظر سے ہے ورنہ اس حدیث کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرق دراصل اس سے بھی زیادہ ہیں روایتوں میں قوت پیدا کرنے کا یہ ایک بہترین طریقہ تھا۔ محدثین نے اس پر بہت زور دیا ہے"(۱۷)۔

۲۔ حضرت عمرؓ (م ۲۳ھ) کے احوال میں امام ذھبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"هوالذی سن للمحدثين التثبت فی النقل وربمايتوقف فی خبر الواحداذاارتاب"(۱۸)

(حضرت عمرؓ وہ ہستی ہیں جنھوں نے محدثین کے لیے روایت (حدیث) کے بارے میں تحقیق و تثبت کا طریقہ جاری فرمایا اور جب انھیں تردد ہوتا تو خبر واحد کو قبول کرنے میں توقف سے کام لیتے)۔

ربیعہ بن ابی عبدالرحمن سے روایت ہے کہ انھوں نے بہت سے علماء سے سنا کہ "ابوموسی اشعریؓ (۴۴ھ) حضرت عمرؓ کے مکان کی جانب آئے اور تین بار اندر آنے کی اجازت طلب کی جب تینوں بار جواب نہ ملا تو واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجا جب وہ آئے تو ان سے کہا کہ آپ اندر کیوں نہ آئے۔ ابوموسی اشعریؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اجازت تین بار لینی چاہیے اگر اجازت مل جائے تو اندر داخل ہوجاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ کے علاوہ اور کس نے یہ حدیث سنی ہے؟ اس کو (گواہی دینے کیلئے) لے آؤ۔ اگر نہ لاؤ گے تو میں آپ کو سزادوں گا۔ ابوموسی باہر نکلے اور مسجد میں بہت سے آدمیوں کو ایک مجلس میں بیٹھے دیکھا" جسے مجلس انصار" کہتے تھے اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اجازت تین بار لینی چاہیے اگر اجازت مل جائے تو داخل ہوجاؤ نہیں تو واپس چلے جاؤ۔ میں نے یہ حدیث حضرت عمرؓ سے بیان کی تو انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی اور نے یہ حدیث سنی ہو تو اسے لے آؤ۔ نہیں تو میں آپ کو سزادوں گا۔ اگر آپ میں سے کسی نے یہ حدیث سنی ہو تو میرے ساتھ چلے۔ لوگوں نے ابو سعید خدریؓ سے کہا آپ جائیے وہ سب لوگوں میں کم سن تھے۔ ابو سعید ابوموسیؓ کے ساتھ آئے اور یہ حدیث حضرت عمرؓ سے بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے ابوموسیؓ سے کہا میں آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتا لیکن میں ڈرا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باتیں گھڑلیا کریں"(۱۹)۔

امام ذھبی رحمہ اللہ اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"احب عمرؓ ان يتاكد عنده خبر ابی موسی يقول صاحب آخر، ففی هذا دليل علی ان الخبراذا رواه ثقتان كان اقوی وارجح عماانفرد به واحد و فی ذلک حض علی تكثير طرق الحديث لكی يرتقی عن درجة الظن الی درجة العلم اذالواحد يجوز عليه النسيان والوهم ولا يكاد يجوز ذلک علی ثقتين لم يخالفهمااحد"(۲۰)۔

(یعنی حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ابوموسی کی حدیث کسی دوسرے صحابی کی شہادت سے مؤکد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوجائے پس اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کسی حدیث کو دو ثقہ (قابل اعتماد) آدمی روایت کریں تو وہ حدیث منفرد یعنی ایک آدمی کے مقابلہ میں زیادہ قوی اور زیادہ قابل ترجیح ہوجاتی ہے اور اس میں لوگوں کو طرق حدیث کی کثرت (یعنی زیادہ سے زیادہ سندیں تلاش کرنے) کی طرف ترغیب دینے کی دلیل بھی ہے تاکہ (کثرت طرق کے سبب) وہ حدیث ظن کے درجہ سے ترقی کرکے علم (یقین) کے درجہ پر فائز ہوجائے کیونکہ ایک آدمی کے بھول جانے اور اوروہم میں پڑجانے کا زیادہ خدشہ ہو، جبکہ دو ثقہ آدمی جن کی کسی نے مخالفت بھی نہ کی ہو تو ان کے نسیان وہم میں پڑجانے کا خدشہ نہیں ہوسکتا)۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت امیر معاویہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"......علیکم من الحدیث بماکان فی عھدعمرؓفانه کان قد اخاف الناس فی الحدیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم" (۲۱).

(حضرت عمرؓ کے عہد میں جو حدیثیں رائج تھیں ان کو لازم پکڑو کیونکہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے حدیث کی روایت سے ڈرادیا تھا)۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ان کے سامنے کوئی شخص حدیث روایت کرتا تو آپ اس سے قسم لیتے (۲۲)۔

یہ مثالیں اور جو ان کے علاوہ اس باب سے متعلق ہیں (۲۳) واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ احادیث کے نقل وروایت کے معاملہ میں کس قدر احتیاط سے کام لیتے تھے حتی کہ بعض کا تو یہ عالم تھا کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے الفاظ استعمال کرتے وقت ڈرتے تھے، چنانچہ ابو عمرؒ الشیبانی (۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

"میں حضرت ابن مسعودؓ (۳۲ھ) کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا وہ خوف کے مارے قال رسول اللہ کہہ کر حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ اگر کبھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان کرنے لگتے تو ان پر لرزہ طاری ہوجاتا، پھر کہتے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا یا اس کی مثل فرمایا یا اس کے قریب قریب فرمایا" (۲۴)۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:

"ان آثار وروایات سے جن کا تاریخی اعتبار بہر حال مسلم ہے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ صحابہ کرامؓ روایت وقبول حدیث کے معاملہ میں حد درجہ احتیاط پسند تھے۔

۲۔ وضاعین وکذابین کا طبقہ ان کے عہد ـــــ میں ہی پیدا ہوگیا تھا۔

۳۔ ان لوگوں کے فتنہ وشر سے بچنے اور صحیح احادیث کو محفوظ رکھنے کے لیے صحابہ کرامؓ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبول حدیث کے لئے ایک خاص معیار قائم کرلیا تھا جو حدیث اس پر پوری اترتی تھی اس کو بے تکلف قبول کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

۴۔ صحابہ کرام کی ان احتیاط پسندیوں کے باعث صحیح و غیر صحیح احادیث میں ایک خط امتیاز کھنچ گیا اور وضاعین و کذابین کے تمام منصوبے پادر ہوا ثابت ہوئے"(۲۵)۔

صحابہ کرام کی یہ محتاط روش کسی عدم اعتماد اور سوء ظن کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اس میں انتہائی احترام اور تقوی کار فرما تھا کہ سننے اور سمجھنے کی غلطی کی وجہ سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی جانب کوئی غلط بات منسوب نہ ہوجائے۔ اکثر صحابہ کرامؓ کے پیش نظر نقل و روایت یعنی تحمل واداء کے عمل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول رہتا:

"من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار"(٢٦).

(جو شخص قصداً میری جانب جھوٹی بات منسوب کرے تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالینا چاہیے)۔

جہاں تک حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی محتاط روش کا تعلق ہے تو انھوں نے راویوں سے گواہوں کا مطالبہ کرکے سب کو محتاط کردیا اور تمام صحابہ کرامؓ اس مطالبہ میں کار فرما حکمت سے آگاہ ہوکر یہ راز جان گئے کہ پس پردہ مقصد "حفاظت حدیث" ہے۔ اور احادیث روایت کرنے والوں کو یہ احساس دلانا ہے کہ وہ روایت حدیث میں غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کریں، بلکہ جو مسموع (سنی ہوئی) اور یاد ہوں وہ بھی احتیاط سے بیان کریں، اور جو دوسروں سے سنیں تو ان کے بارے میں یہ یقین حاصل کرلیں کہ روایت کرنے والوں نے صحت کے ساتھ بیان کی ہیں"(۲۷)۔

ایک بے مثل اہتمام

احادیث کی حفاظت یعنی انھیں خارجی آمیزشوں سے مکمل طور پر پاک رکھنے، انھیں دوسروں سے اخذ یعنی حاصل کرنے اور پھر آگے بیان کرنے میں مزید احتیاط برتنے اور صحیح و غیر صحیح میں حد فاصل برقرار رکھنے کی خاطر مسلمانوں نے جو اہتمام کیے" ان میں سے ایک سند کا اجراء اور دوسرا صیغ اداء کی ایجاد ہے ان دو حفاظتی انتظامات نے شکوک و شبہات کی راہیں بند کردیں، اور عقل سلیم رکھنے والوں کے لیے غیر متزلزل یقین واطمنیان حاصل کرنے کا سامان پیدا کردیا"(۲۸)۔

سند کا مفہوم

حدیث کی سند حقیقت میں دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے ایک "راویوں کے اسماء" اور دوسرے "صیغ اداء جیسے حدثنا، حدثنی، اخبرنا، اخبرنی وغیرہ" جو ابتدا سے لیکر آخر تک راویوں میں ربط واتصال کا کام دیتے ہیں یعنی دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ہر ایک کا مدار دوسرے پر ہے۔ اگر ایک نہ ہو تو دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

متن حدیث سے قبل راویوں کا جو طویل سلسلہ ہوتا ہے اسے ہی "سند" کہتے ہیں۔ سند اگرچہ اصل حدیث (متن) کا جزء نہیں ہے لیکن چونکہ اولاحدیث کی صحت کا مدار سند ہی پر ہے، اس بناء پر محدثین کے نزدیک اس کی حیثیت کسی طرح "جزء" سے کم نہیں"(۲۹)۔

حدیث کی تحقیق کے لیے سند کی تفتیش کا باقاعدہ آغاز

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ (۳۳ھ-۱۱۰ھ) نے صحابہؓ کے ابتدائی دور میں تحقیق حدیث کے لیے سند کی عدم تفتیش اور بعد میں اس کی تفتیش کے آغاز کو یوں بیان فرمایا ہے:

"لم یکونوا یسألون عن الاسناد فلما و قعت الفتنة قالوا سموا لنارجالکم فینظرالی اهل السنة فیوخذحدیثهم وینظر الی اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم"(۳۰).

(پہلے لوگوں سے محدثین اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے پھر جب فتنہ واقع ہوا تو انھوں نے کہنا شروع کردیا کہ اپنے راویوں کے نام بتاؤ۔ تاکہ دیکھا جائے کہ جو اہل سنت ہیں ان سے احادیث لی جائیں اور جو اہل بدعت ہیں ان سے نہ لی جائیں)۔

یہاں فتنہ کے وقوع سے مراد وہ پرفتن دور ہے جس کی ابتداء حضرت عثمانؓ (۳۵ھ) کی خلافت کے آخری ایام سے ہوئی تھی اور لوگ گروہوں میں بٹ گئے تھے، بدعات پیدا ہوگئی تھیں جھوٹی باتیں وضع کرکے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر کثرت سے پھیلایا جانے لگا تھا تو اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اسناد کی تفتیش اور تحقیق کرنے کا ان (محدثین) کے قلوب میں الہام کیا۔ اور اس ہی وقت سے ہر حدیث کی اسناد کو معلوم کیا جانے لگا۔ اور اس کے ساتھ اس کی تنقید و تحقیق اور راویوں کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے سے بحث شروع ہوئی۔ اور اس طرح صحیح وغیر صحیح کو الگ کیا جانے لگا"(۳۱)۔

ایک اور امر جس کی وضاحت مولانا معراج الاسلام نے کی ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ سن ۴۰ھ میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا تو ایک نئی نسل جوان ہوچکی تھی جس کے ذھن میں یہ تجسس پیدا ہوا کہ جو احادیث ان تک پہنچی ہیں۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ سے براہ راست سننے والوں سے دریافت کیا جائے۔ تاکہ درمیانی راوی کی حیثیت اور قدر و قیمت کا تعین ہوجائے اور اس کی ثقاہت و صداقت ثابت ہوجانے کی صورت میں بغیر کسی تردد کے اس کی روایت قبول کرلی جائے۔

حصول علم ویقین کا یہ موثر ذریعہ بہت جلد مقبول ہوتا گیا اور راویوں نے سابقہ راویوں (یعنی صغار صحابہؓ نے کبار صحابہؓ) کے نام لے کر احادیث بیان کرنا شروع کردیں، اس طرح پہلی صدی ہجری ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ سند بیان کرنے کا عام رواج ہوگیا اور ایک لازمی قانون بن گیا کہ جو راوی گزشتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راویوں کا نام لے کر حدیث بیان نہیں کرے گا اس کی روایت معتبر نہیں ہوگی اور جو ناموں کا سہارا دے کر بیان کرے گا تو اس کی روایت معتبر ہوگی (۳۲)۔

متصل و صحیح سند کا اہتمام

تابعین حضرات کے دور میں سند کو خوب رواج ملا اور دوسری صدی ہجری کے ابتداء تک معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ اسے اس کی اہمیت کے پیش نظر دین کہا گیا کیونکہ اس کے ذریعہ روایت کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔ حضرت محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

"ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم" (۳۳)۔

(بے شک یہ علم (یعنی علم حدیث) دین ہے پس تم دیکھو کہ کس شخص سے اپنے دین کو حاصل کر رہے ہو) یعنی ہر شخص کا اس میں اعتبار نہ کرو بلکہ جو سچا، دین دار اور معتبر ہو اسی سے احادیث لو۔

محدثین حضرات نے مجرد سند (یعنی راویوں کے اسماء) معلوم کر لینے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس میں اتصال کی بے مثل صفت کو لازمی قرار دیا وہ اس طرح کہ "جب کوئی راوی روایت بیان کرتا تھا تو اسے بتانا پڑتا تھا کہ اس نے وہ روایت کس سے سنی ہے اور اس نے کس نے سنی تھی یہاں تک کہ وہ سلسلہ صحابی تک پہنچ جاتا تھا، بڑے بڑے ائمہ اس کا اس کا التزام کرتے تھے" (۳۴)۔

محدثین کے اسی اہتمام و التزام کو علامہ شبلی نعمانی نے روایت کا اولین اصول قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"۔۔۔۔۔مسلمانوں نے فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ ۔۔۔ بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے" (۳۵)۔

صحیح سند

سند کے متصل ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں پائے جانے والے راوی اعلیٰ صفات و خصوصیات کے مالک ہوں جن کی بنیاد پر ان کی روایت کردہ احادیث کو قبول کرنے میں کسی قسم کا تردد پیدا نہ ہو۔ محدثین حضرات نے اس پہلو کی جانب بھرپور توجہ کی اور تحقیقات کے ذریعہ راویوں کے مثبت و منفی دونوں اوصاف دنیا کے سامنے لے آئے، چنانچہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

"اس (اتصال سند) کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بیں؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناممکن تھا، سنیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں، ایک ایک شہر میں گئے راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے، ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیئے" (۳۶)۔

ثمرات

محدثین کی جانب سے حدیث کی تحقیق و تنقید کیلئے اس کی سند بیان کرنے کے مطالبہ کے نتیجہ میں علم اسنادالحدیث وجود میں آیا۔ پھر علم اسنادالحدیث کا یہ مطالبہ اور تقاضا تھا کہ رواۃ حدیث کے حالات وسوانح کی چھان بین کی جائے ورنہ پھر سند حدیث کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا لہذا رواۃ کے اخلاق و کردار کے ایک ایک گوشے کی انتہائی احتیاط و دیدہ وری کے ساتھ تحقیق و تفتیش کی گئی جس کا اصطلاحی نام "جرح وتعدیل" ہے اور جس کے نتیجہ میں اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجادومدون ہوا جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی" (۳۷)۔

بقول ڈاکٹر اسپرنگر: "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے" (۳۸)۔

اسماء الرجال کے فن کی محدثین حضرات نے اس حد تک خدمات انجام دیں کہ راویوں کے اوصاف وخصائص کے لحاظ سے کتب مدون کی گئیں جیسے ثقات کیلئے الگ اور ضعفاء کیلئے الگ کتب۔ طوالت کے خوف سے یہاں ان کتب کا ذکر نہیں کیا جاسکتا (۳۹)۔

جہاں تک راویوں کی جرح و تعدیل کے عمل کا تعلق ہے تو محدثین حضرات نے اس کیلئے، جو معیار مقرر کیا تھا اس پر بادشاہوں سے لیکر بڑے بڑے ائمہ مذاہب کو پرکھا گیا۔ اور اس راہ مین نہ ان کو کوئی دنیوی۔۔۔۔ طاقت مرعوب کرسکی اور نہ وہ کسی مذہبی قیادت ۔۔۔۔۔۔ سے خوفزدہ ہوئے۔ جس شخص میں کوئی ذرا سا نقص بھی دیکھا اس کو۔۔۔۔۔۔ علی الاعلان کہا کہ لوگ اس کی روایتیں قبول کرنے میں احتیاط برتیں" (۴۰)۔

جرح و تعدیل رواۃ کے مؤسسین

اس فن یعنی "رواۃ کے بارے میں جرح و تعدیل کا آغاز صغار صحابہ کے عہد ہی سے ہوگیا تھا اس ضمن میں تفصیل حسب ذیل ہے:

الف۔ صغار صحابہ میں حسب ذیل (مؤسسین) قابل ذکر ہیں:

۱۔ ابن عباسؓ (۶۸ھ) ۲۔ عبادہ بن صامتؓ (۳۴ھ) ۳۔ انس بن مالکؓ (۹۳ھ)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ب۔ تابعین میں سے مندرجہ ذیل نے اس میں نمایاں حصہ لیا:

۱۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ (۹۳ھ) ۲۔ امام شعبی رحمہ اللہ (۱۰۴ھ) ۳۔ ابن سیرین رحمہ اللہ (۱۱۰ھ)

ج۔ پھر اس کے بعد جرح و تعدیل میں حصہ لینے والے علماء پیدا ہوتے گئے۔ مشہور فضلاء کے اسماء حسب ذیل ہیں:

۱۔ شعبہ رحمہ اللہ (۱۶۰ھ) ۲۔ امام مالک رحمہ اللہ" (۱۷۹ھ) (۴۱)

عالی سند کی تلاش

ایک اور اہم چیز جس کا محدثین حضرات نے ابتداء ہی سے خوب اہتمام کیا وہ ہے "عالی سند" کی تلاش۔ عالی سند، وہ ہے جس کے راوی قلت تعداد کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوں اور اسی حدیث کی کسی دوسری سند میں راویوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو، ایسی سند کو " اجل الاسانید" کہتے ہیں بشرطیکہ وہ سند صحیح ہو، اگر علو (بلندی) کے ساتھ ضعیف ہو تو اس کا علو نا قابل التفات ہے"(۴۲)۔

محدثین حضرات عالی سند کی تلاش میں سرگرداں رہتے اور دور دراز کے سفر کرتے مثلاً" حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے رفقاء کوفہ سے مدینہ سفر کر کے حضرت عمرؓ سے حدیث سنتے اور اس طرح اپنی سند اونچی کر لیتے ـــــ (اسی طرح) متعدد صحابہ کرامؓ نے اسناد کی بلندی کے حصول کے لئے سفر کیا، حضرت ابو ایوبؓ اور حضرت جابرؓ کا شمار ان ہی میں ہوتا ہے"(۴۳)۔

عالی سند کی اہمیت کو ڈاکٹر نجم الاسلام نے امام حاکم (۴۰۵ھ) کے حوالے سے ان کی کتاب" معرفۃ علوم الحدیث" پر تبصرہ کرتے ہوئے یوں بیان کیا ہے:

"حدیث کے حوالے سے تحقیق کے فن کو ترقی دینے والوں میں حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ ایک بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں ـــــ حاکم رحمہ اللہ کا پہلا اصول اسناد کی آخری کڑی کی واقفیت حاصل کرنے سے متعلق ہے۔ اسناد کی پوری کڑیاں معلوم کرنا سنت صحیحہ (سے) ثابت ہے۔ انسان کو اسناد کی اوپر کی کڑی معلوم کرنے اور نیچے کی کڑی پر اکتفاء نہ کرنے کی اجازت ہے اگرچہ اس نے ثقہ آدمی سے سنا ہو۔ اس کی دلیل صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اور یہ کہ سند کے عالی ہونے کا مفہوم محض کڑیاں گننا بھی نہیں، اس کی شناخت عقل و فہم سے ہوتی ہے"(۴۴)۔

پھر لکھتے ہیں: "حاکم رحمہ اللہ کی ان تصریحات سے اولین ماخذ کی اہمیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ثانوی ماخذ کے مقابلے میں اولین ماخذ کی تلاش و تحقیق دستاویزی تحقیق کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی بہترین صورت علوم حدیث ہی میں ملتی ہے"(۴۵)۔

مختصر یہ کہ محدثین حضرات نے حدیث کی تحقیق و تفتیش کیلئے صرف سند اور اس کے لئے "قواعد و ضوابط بنانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مختلف بلاد کی اسانید (یعنی راویوں) کا فردا فردا جائزہ لیا اور دقت نظر سے اس کا مطالعہ کیا اور ان کے مراتب و مدارج متعین کیے جس کی وجہ سے "اصح الاسانید" کے عنوان سے ہر ایک نے اپنی اپنی تحقیق کو پیش کیا"(۴۶)۔

نتیجہ

متصل، صحیح اور عالی سند اسلامی ملت کے ساتھ نصوص ہے۔ جو محققین حضرات یوں لکھتے ہیں کہ سند مسلمانوں کی خصوصیت ہے، میرے خیال میں اس سے ان کی مراد متصل، صحیح اور عالی سند ہی ہوتی ہے نہ کہ صرف سند۔ کیونکہ جیسا کہ مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ قبل از اسلام سند سے ملتا جلتا ایک اسلوب رائج تھا جس سے نقل و روایت کا کام لیا جاتا تھا، چنانچہ ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی اس بات کی تائید میں لکھتے ہیں کہ:

"اسلام سے قبل بعض کتب یا بعض معلومات کے نقل کرنے میں ایک منہج استعمال میں لایا جاتا تھا جو کسی حد تک اسناد سے مشابہ تھا لیکن اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ اس کی مثل ہم یہود کی کتاب "مشنہ" میں پاسکتے ہیں"(۴۷)۔

اور اسی طرح "جاہلیت کے زمانہ میں شاعری (کلام شعراء) نقل کرنے میں کسی حد تک اسناد ہی سے کام لیا جاتا تھا"(۴۸)۔

ائمہ مجتہدین اور اصول روایت

مجتہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرعی نصوص (یعنی قرآن وحدیث) سے احکام و مسائل نکالتے ہیں اور تائید میں ان روایتوں کو بیان کرتے ہیں جو ان کی قائم کردہ شروط پر پوری اترتی ہوں، یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ مجتہدین نے کثرت سے احادیث کو روایت نہیں کیا ہے چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"اور ائمہ میں سے جس نے بھی بہت کم روایت کی ہے اس کے ایسا کرنے کی وجہ (ان کا حدیث میں کم سرمایہ ہونا نہیں بلکہ) طعن کا اندیشہ ہے جو روایت حدیث کے سلسلے میں اسے لاحق تھا نیز وہ علل (کمزوریاں) ہیں جو طرق احادیث میں پیش آتی ہیں، خاص طور پر اس لیے کہ اکثر لوگوں کے نزدیک جرح (نہ کہ تعدیل) مقدم ہوتی ہے، اس لئے اس (امام) کا اجتہاد اسے ایسی احادیث اور طرق اسانید کو اخذ کرنے سے روکتا ہے جن میں یہ (کمزوریاں اور نقائص) آسکتے ہیں اور ایسی احادیث اور طرق اسانید بکثرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، اس لیے ضعف طرق کی وجہ سے وہ بہت کم روایت کرتا ہے"(۴۹)۔

جہاں تک حدیث کی جانچ پرکھ کیلئے اصول روایت کے استعمال کا تعلق ہے تو اس حوالے سے ہم اختصار کے پیش نظر صرف آئمہ اربعہ کے استیعاب پر ہی اکتفا کریں گے:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اصول روایت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) علم حدیث کے بہت بڑے مجتہدین میں سے ہیں یہ حدیث روایت کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے چنانچہ یحیٰ بن معین (۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

"کان ابوحنیفة ثقةلایحدث الامایحفظ ولا یحدث بمالایحفظ"(۵۰).

(امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو یاد ہوتی ہے اسے ہی بیان کرتے ہیں اور جو یاد نہیں ہوتی اسے بیان نہیں کرتے)۔

امام وکیع بن جراح رحمہ اللہ (۱۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ "جیسی احتیاط امام صاحب سے حدیث میں پائی گئی دوسروں سے نہیں پائی گئی"(۵۱)۔

جہاں تک احادیث کی قبولیت و عدم قبولیت کیلئے شرائط و قواعد مرتب کرنے کا تعلق ہے تو، امام صاحب نے اس کی بنیاد ڈالی اور بلحاظ ثبوت احکام ان کے مراتب کی تفریق کی، ان کے اصول تنقید بہت سخت تھے اس لئے متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا گیا"(۵۲)۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ لکھتے ہیں

"والامام ابوحنیفة انماقلت روایته لماشددفی شروط الروایة والتحمل"(۵۳).

(اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت حدیث کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے تحمل واداء (یعنی اخذ و روایت) کی شروط میں بہت سختی کی ہے)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شرائط:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کسی آدمی کو اس وقت تک حدیث بیان نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ سننے کے دن سے بیان کرنے کے دن تک یاد نہ ہو"(۵۴)۔

۲۔ عبدالوھاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو حدیث حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے منقول ہو اس کے متعلق امام صاحب عمل سے پہلے شرط لگاتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی ایک جماعت صحابی رضی اللہ عنہ سے مسلسل نقل کرتی چلی آئی ہو"(۵۵)۔

۳۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صحیح حدیثوں سے جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں پھر اگر یہاں نہ مل سکے تو آپ کے صحابہؓ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں، لیکن جب بات ابراہیم، نخعی، شعبی، حسن اور عطا تک پہنچ جاتی ہے تو پھر میں اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ ان حضرات نے اجتہاد کیا" (۵۶)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ امام اعظم فقہی مسائل واحکام کی تائید میں صرف ان احادیث کو روایت کرتے ہیں جو متصل اور صحیح السند ہوں چنانچہ مولانا تقی الدین ندوی لکھتے ہیں:

۱۔ "وہ (یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) صرف ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو صحیح ہیں اور جن کی اشاعت ثقاہت کے ذریعہ ہوئی ہے" (۵۷)۔

۲۔ "امام صاحب کا دستور تھا کہ وہ خبر واحد کو اس باب کی دوسری احادیث و قرآن سے ملا کر دیکھتے تھے اگر اس کا مضمون ان سے مطابقت کھاتا تو اس پر عمل کر لیتے ورنہ اس کو قبول نہ کرتے اور اس کو شاذ۔۔۔حدیث سمجھتے ہیں" (۵۸)۔

۳۔ "امام صاحب کے ان شرائط و احتیاط کی وجہ سے جن روایات سے وہ استدلال کرتے ہیں وہ صحت کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر ہوتی ہیں" (۵۹)۔

علی بن جعد جوہری......بیان کرتے ہیں کہ:

"ابوحنيفة اذا جاء بالحديث جاء بمثل الدر" (٦٠).

(امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو حدیث استدلال کے طور پر لاتے ہیں وہ موتی کی مانند چمکتی ہے)۔

علاوہ ازیں! امام ابوحنیفہ راویوں کی تجریح وتعدیل بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "جب تابعین کا آخری دور آیا یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق و تضعیف کیلئے زبان کھولی، امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ:

مارايت اكذب من جابر الجعفی

(میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا) (۶۱)۔

۲۔ امام مالک رحمہ اللہ (۹۳ھ-۱۷۹ھ)

مولانا بدر عالم لکھتے ہیں: "آپ رحمہ اللہ تبع تابعین کے طبقہ میں سے تھے....سفیانؒ فرماتے تھے ،رجال کی چھان بین کرنے والا مالک سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مالک رحمہ اللہ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے" (۶۲)۔

"محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالک نافع سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نافع ابن عمرؓ سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے" (۶۳)۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ آپ کی کتاب "الموطا" کے متعلق فرماتے ہیں:

"اہل حدیث (محدثین) اس پر متفق ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کی رائے کے مطابق مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ اور دیگر محدثین کی رائے کے مطابق اس میں کوئی مرسل یا منقطع حدیث ایسی نہیں ہے کہ دیگر طرق سے اس کی سند متصل نہ ہو۔ پس اس لحاظ سے مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں" (۶۴)۔

آپ رحمہ اللہ کے نزدیک راوی کیلئے حدیث کا حافظ ہونا ضروری ہے، چنانچہ مولانا تقی الدین ندوی لکھتے ہیں:

"امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ضروری ہے کہ راوی جس روایت کو بیان کرے اس کا وہ حافظ ہو......" (۶۵)۔

۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰ھ۔ ۲۰۴ھ)

ڈاکٹر علامہ خالد محمود کی تحقیق کے مطابق "شروع شروع میں تحقیق اسناد پر آپ رحمہ اللہ کی توجہ زیادہ تھی۔ ان کے ہاں حدیث کی قبولیت کا معیار اس کی صحت سند تھا۔ استفاضۂ عمل کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ لیکن آخری دور میں آپ بھی اس طرف پلٹے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا نظریہ تھا کہ تواتر عمل کے ہوتے ہوئے اسناد کی ضرورت نہیں رہتی، بیس رکعت والی تراویح کے ثبوت میں ان کے پاس کوئی صحیح حدیث نہ تھی آپ نے یہاں اہل مکہ کے عملی استفاضہ سے استدلال کیا" (۶۶)۔

جہاں تک مرسل حدیث سے استدلال کرنے کا تعلق ہے تو آپ کے بارے میں اسے غیر مشروط طور پر قبول کرنے سے انکار کرنا مشہور ہے مگر ڈاکٹر علی اصغر چشتی لکھتے ہیں کہ:

"ہماری تحقیق کے مطابق آپ رحمہ اللہ کا یہ اصول دیگر ائمہ اجتہاد کے اصول کے خلاف نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی حدیث مرسل سے غیر مشروط طور پر استدلال نہیں کرتے۔ اسی طرح محدثین کی اچھی خاصی جماعت اس اصول کی حامی نظر آتی ہے کہ مرسل کو ہر حال میں قبول نہیں کرنا چاہیے بلکہ معروف شرائط (جو کتب اصول میں مذکور ہیں) کو مدنظر رکھ کر اس سے استدلال کرنا چاہیے" (۶۷)۔

مولانا بدر عالم لکھتے ہیں کہ "فقہ میں آپ رحمہ اللہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کردیتے تھے، کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی" (۶۸)۔

مختصر یہ کہ "امام شافعی رحمہ اللہ نے جمع روایات، تنقید احادیث، اصول روایت اور امتیاز مراتب کے قواعد مرتب کیے۔ انہوں نے اپنی کتاب "کتاب الام" اور "الرسالہ" وغیرہ میں بکثرت روایات سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استدلال کیا ہے" (۶۹)۔

۴۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (۱۶۴ھ۔۲۴۱ھ)

ذیل میں آپ رحمہ اللہ کی فقہ کے پانچ زریں اصول بیان کیے جاتے ہیں جن سے احادیث کے متعلق آپ رحمہ اللہ کا نقطہ نظر عیاں ہوجاتا ہے:

"۱۔ جب کسی مسئلہ کے متعلق صریح نص (یعنی صحیح حدیث) موجود ہو تو پھر کسی کے اختلاف کی پرواہ نہ کی جائے.........

۲۔ جب کسی مسئلہ میں صحابی کا فتوی معلوم ہوجائے اور اس کے مخالف کسی صحابی کا قول معلوم نہ ہوسکے تو پھر وہی مختار ہونا چاہیے....... آپ رحمہ اللہ کے نزدیک فتاوی صحابہ کی اہمیت حدیث مرسل سے بھی زیادہ تھی...

۳۔ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہو اس میں جس کا قول کتاب و سنت کے قریب نظر آئے اسی کو اختیار کرلینا چاہیے۔ اگر یہ ترجیح ثابت نہ ہوسکے تو پھر صحابہ کے مختلف اقوال نقل کردینے چاہیں اور کسی قول پر جزم نہ کرنا چاہیے.....

۴۔ اگر کسی مسئلہ میں ضعیف (حسن لغیرہ) یا مرسل حدیث موجود ہو تو اس کو بھی قیاس پر مقدم رکھا جائے بشرطیکہ اس مسئلہ کے متعلق کوئی اور حدیث یا قول صحابی یا اجماع مخالف نہ ہو...

۵۔ قیاس اس وقت جائز ہوسکتا ہے جب کسی مسئلہ کے متعلق منقول سامان نہ مل سکے اور وہ بھی بقدر ضرورت......" (۷۰)۔

ائمہ محدثین اور اصول روایت

جہاں تک محدثین حضرات کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی اپنی کتب میں احادیث کا اندراج کرتے وقت ان کی جانچ پرکھ کے لئے اصول روایت کا کیسے اور کس قدر استعمال کیا؟ اس امر کا اندازہ لگانے کیلئے ہم اختصار کے پیش نظر صرف مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حسب ذیل بیان کو نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔ وہ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"راویان حدیث کے پانچ طبقات ہیں:

۱۔ ضبط میں کامل اور اپنے شیخ کی خدمت میں زیادہ رہنے والے

۲۔ ضبط میں تو کامل لیکن شیخ کی صحبت میں کم رہے۔

۳۔ شیخ کی صحبت میں زیادہ رہے لیکن تام الضبط نہیں ہیں۔

۴۔ شیخ کی صحبت میں رہنا بھی کم ہی نصیب ہوا اور تام الضبط بھی نہیں ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵- تام الضبط بھی نہیں، شیخ کی صحبت میں بھی کم رہے اور ساتھ ہی ان پر جرح بھی زیادہ ہوئی۔

توامام بخاری رحمہ اللہ پہلے طبقہ کی روایات بتمامہا لیتے ہیں اور دوسرے طبقہ کی روایات میں انتخاب کرکے لیتے ہیں۔ اور باقی تین طبقوں کی روایات کو بالکل نہیں لیتے۔

اور امام مسلم رحمہ اللہ پہلے اور دوسرے طبقہ کی روایات کو بتمامہا لیتے ہیں اور تیسرے طبقہ کی روایات کا انتخاب کرتے ہیں اور چوتھے اور پانچویں طبقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

--اور ابوداؤد رحمہ اللہ چوتھے طبقہ کی روایات کو بھی لیتے ہیں۔

--اور ترمذی رحمہ اللہ پانچویں طبقہ کی روایات لینے میں باک نہیں سمجھتے "(۷۱)۔

پہلی دوسری اور تیسری صدی ہجری تک اصول روایت کے اس مختصر تاریخی ارتقاء کے بعد ہم ذیل میں محدثین حضرات کے مقرر کردہ اصولوں کا تھوڑی وضاحت کے ساتھ استیعاب کرتے ہیں تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے اور یہ معلوم ہوجائے کہ حدیث کی تحقیق کیلئے انھوں نے کس قدر دقت نظر سے کام لیا ہے۔

۱- تحمل واداء حدیث کی شروط

محدثین کے نزدیک تحمل حدیث یعنی اسے سننے کیلئے یا حاصل کرنے کیلئے صرف تمیز (عقل، شعور) اور ضبط شرط ہیں نہ کہ اسلام اور بلوغ جبکہ ادائے حدیث یعنی اسے سنانے اور دوسروں تک منتقل کرنے کیلئے تمیز (عقل، بلوغ)، ضبط، عدالت اور اسلام ضروری شروط ہیں (۷۲)۔

۲- روایت میں راوی کے قیاس کی تحقیق

محدثین حضرات کے سنہری اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ احادیث میں راویوں کے قیاس اور اصل واقعہ میں تمیز کی خاطر تحقیق کیجائے کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی راوی جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اس میں وہ اپنے قیاس کو بھی شامل کرلیتا ہے اس قبیل کی متعدد امثلہ موجود ہیں جیسے صحیح مسلم کی یہ روایت جس میں یہ ہوا ہے کہ:

حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب ازواج مطہرات سے ناراض ہوکر الگ ہوگئے تو یہ مشہور ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی میں تشریف لائے، یہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "نہیں میں نے طلاق نہیں دی" (۷۳)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں!

"غور کرو مسجد نبوی میں تمام صحابہؓ جمع ہیں اور سب بیان کر رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔ صحابہؓ عموماً ثقہ اور عادل ہیں اور ان کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے، باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا۔" (۷۴)۔

۲۔ معیار راوی بلحاظِ نوعیت واقعہ

محدثین کے نزدیک تحمل (اخذ) حدیث کے عمل میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ حدیث میں جو واقعہ بیان ہو رہا ہے وہ کس حیثیت اور کس قسم کا ہے کیونکہ واقعہ کی نوعیت وحیثیت کے لحاظ سے حدیث (روایت) کی حیثیت میں تبدیلی آجاتی ہے مثلاً ثقہ راوی کسی ایسی روایت کو بیان کرے جو عام پیش آنے والے معمولی واقعہ پر مشتمل ہو تو اس کی روایت مقبول ہے۔ اس کے برعکس یہی ثقہ راوی ایسی حدیث بیان کرے جو غیر معمولی ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کے خلاف ہو اور زیادہ تحقیق طلب ہو تو ایسی صورت میں راوی کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، محتاط اور زیادہ نکتہ داں ہونا چاہیے" (۷۵)۔

تحقیق سند بلحاظ اہمیت متن

محدثین کرام متنِ روایت کی حیثیت واہمیت کی بنیاد پر اس کی سند یعنی راویوں کی تحقیق کرتے ہیں مثلاً:

۱۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "المدخل" میں ابن مہدی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"جب ہم حضور اکرم ﷺ سے حلال و حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں تو سند میں خوب تشدد کرتے ہیں اور راویوں کو پرکھ لیتے ہیں۔ لیکن جب فضائل اور ثواب وعقاب کی حدیثیں آتی ہیں تو ہم سند میں تساھل (ڈھیل) سے کام لیتے ہیں اور راویوں کے متعلق چشم پوشی کرتے ہیں۔" (۷۶)۔

۲۔ امام احمد بن جنبل رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ: "ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہیں کہ مغازی وغیرہ کی حدیثیں ان سے روایت کی جاسکتی ہیں لیکن جب حلال و حرام کے مسائل آئیں تو ہم کو ایسے لوگ درکار ہیں جنھوں نے اپنے ہاتھ کی چاروں انگلیاں خوب زور سے بند کرلیں" (۷۷) مطلب یہ تھا کہ خوب مضبوط قسم کے راوی ہوں۔

۴۔ خلاف قیاس مرویات کی سند میں فقہاء کا اعتبار

اگر کوئی روایت خلاف قیاس ہو تو علماء حدیث دیکھتے ہیں کہ اس کی سند میں راوی فقیہ ہے یا نہیں اگر فقیہ ہو تو پھر قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور فقیہ کی روایت سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء احناف اور امام مالک رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے:

"راوی اگر تفقہ اور اجتہاد میں مشہور ہے جیسے خلفاء راشدین اور عبادلہ اربعہ (۷۸) ہیں تو اس کی حدیث حجت ہوگی اور اس (حدیث) کے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جائے گا۔ اس بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک) اگر راوی ثقہ اور عادل ہے لیکن فقیہ نہیں جیسے حضرت انسؓ اور حضرت ابوھریرہؓ، تو اس صورت میں اگر روایت قیاس کے موافق ہو تو اسی پر عمل ہوگا ورنہ قیاس کو ضرورت کے بغیر ترک نہ کیا جائے گا" (۷۹)۔

تحقیقات رواۃ کے دیگر ثمرات

سند، علم جرح و تعدیل اور علم اسماء الرجال کے علاوہ راویوں کے احوال کی تحقیقات کے ثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ احادیث مختلف انواع میں منقسم ہوگئیں جیسے مقبول و مردود یعنی صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ۔ اصول حدیث کی کتب اس ثمرہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

صحیح حدیث

محدثین کے نزدیک صحیح حدیث اس کو کہتے ہیں "جس کی اسناد اول سے لیکر آخر تک متصل ہو، جسے عادل اور ضابط راوی اپنے ہی جیسے عادل اور ضابط راوی سے نقل کرتے ہوئے آئیں اور اس روایت میں کوئی علت نہ ہو اور نہ وہ شاذ ہو" (۸۰)۔

ذیل میں صرف عدالت، علت اور شذوذ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

۵۔ عدالت

محدثین حضرات راویوں کی جانچ پرکھ میں ان کی صفت عدالت پر خوب توجہ دیتے ہیں۔ کسی راوی کے عادل ہونے سے مراد یہ ہے کہ "وہ مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، اور ایسے ملکہ اور ایسی قوت راسخہ کا مالک ہو جو اسے متقی اور صاحب مروت بنادے۔ متقی ہونے سے مراد یہ کہ وہ جلی و خفی شرک اور فسق و بدعات سے مجتنب ہو اور صاحب مروت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر متعصب، غیر ضدی نہ ہونے کے ساتھ ساتھ چھچھورے پن اور بے حیائی کے عیوب سے پاک ہو، اور ایک پروقار شخصیت کا مالک" (۸۱)۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی نجم الدین سلیمان الطوفی کی کتاب "شرح الاربعین" کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"روایت کا دارومدار راوی کے عدل وضبط پر ہے۔ پس جو حضرات ان دونوں وصفوں میں مرتبہ اعلیٰ (اعلیٰ درجہ) پر ہوں گے جیسے حضرت شعبہ، سفیان اور یحیٰ بن سعید القطان وغیرہ، ان کی حدیث صحیح ہوگی۔ اور اگر راوی عادل وضابط ہو لیکن مرتبہ اعلیٰ پر نہیں (تو) اس کی روایت حسن ہوگی۔ عدالت اور ضبط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تفاوت کے اعتبار سے رواۃ کو نو طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے" (۸۲)۔

محدثین کی اس وقت نظر سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک عدالت کا جو معیار ہے وہ کس قدر سخت اور اونچا ہے۔

۶۔ علت

روایت کی قبولیت میں محدثین یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حدیث میں کوئی ایسا پوشیدہ نقص یا عیب تو نہیں ہے جو اس کی صحت کو مجروح کردے۔ علت (نقص) کے متعلق اکبر آبادی لکھتے ہیں کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا (سبب) نہ پایا جائے جو صحت حدیث میں قادح ہو مثلاً:

---ارسال خفی یعنی راوی کا اپنے معاصر سے لفظ "عن" سے روایت کرنا۔ جس سے یہ شبہ ہو کہ راوی نے اس سے سماع کیا ہے۔ حالانکہ اسے اپنے معاصر مروی عنہ سے بالکل سماع حاصل نہ ہو۔

---یا تدلیس یعنی راوی روایت تو کرتا ہے اس شخص سے جس سے اس کو سماع حاصل ہے لیکن نقل وہ روایت کرتا ہے جو اس نے اس سے نہیں سنی اور اس انداز سے بیان کرتا ہے کہ گویا اس نے اس روایت کو خود مروی عنہ سے سنا ہے۔

---علت کی دو قسمیں ہیں خفیہ اور ظاہرہ، خفیہ کی مثال اوپر گزر چکی ہے، ظاہرہ کی مثال فسق اور سوء حفظ ہے" (۸۳)۔

۷۔ شذوذ

محدثین تحقیق کرتے وقت دیکھتے ہیں کہ روایت میں شذوذ تو واقع نہیں ہوا ہے۔ شاذ روایت اسے کہتے ہیں "جس میں ایک مقبول راوی اپنے سے افضل راوی کی مخالفت کررہا ہو" (۸۴)۔

۸۔ روایت بالمعنی

امام نووی لکھتے ہیں: "جو شخص روایت بالمعنی یعنی حدیث کا مطلب بیان کرنا چاہتا ہو، اگر وہ الفاظ اور مطالب کا ماہر نہیں ہے۔ اور مطلب میں جو باتیں خلل انداز ہوتی ہیں ان کو نہیں جانتا تو اہل علم کے نزدیک بالاتفاق اس کی روایت جائز نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری کہ لفظ کا تعین کرے" (۸۵)۔

ثانیاً۔ اصول درایت

اصول درایت سے مراد محدثین حضرات کے وضع کردہ وہ سنہری قواعد و ضوابط ہیں جن کے ذریعہ متن حدیث کے متعلق تحقیق کی جاتی ہے کہ واقعی وہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا کہ نہیں؟ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ان اصولوں کی روشنی میں حدیث کے متن کی چھان بین کی جاتی ہے۔ اس چھان بین کو "داخلی نقد" یا "نقد متن" بھی کہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے قبل کہ اصول درایت کے ماخذ اور تاریخی پس منظر پر بحث کی جائے بہتر ہے کہ لفظ "درایت" کے مفہوم کو بیان کیا جائے تا کہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے:

درایت کا مفہوم

(الف) لغوی مفہوم:

لغت میں درایت کا معنی ہے معرفت علامہ اصفہانی لکھتے ہیں "الدرایة المعرفة" (۸۶)۔ اس لغوی معنی کی بنیاد پر درایت حدیث کا معنی ہوگا، حدیث کی معرفت۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث کی معرفت سے کیا مراد ہے اور اسے کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب مولانا تقی امینی نے یوں دیا ہے:

"حدیث کی صحیح معرفت اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب راوی (حدیث نقل کرنے والے) اور مروی (حدیث) دونوں کے متعلق پوری معلومات ہوں یعنی راوی کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ کہاں اور کب پیدا ہوا، اس کا حافظہ قوی تھا یا کمزور، نظر سطحی تھی یا گہری، فقیہ تھا یا غیر فقیہ، جاہل تھا یا عالم، اخلاق و کردار کیسے تھے، ذرائع معاش کیا تھے، روایت کرنے میں اس نے مقررہ شرطوں کا لحاظ کیا ہے یا نہیں (ان امور کا تعلق اصول روایت سے ہے)؟ اسی طرح مروی (حدیث) کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے الفاظ و جملوں میں کسی قسم کی خامی و کمزوری یا مقررہ قواعد کی خلاف ورزی تو نہیں پائی جاتی، معانی و مفہوم میں عقل، مشاہدہ، تجربہ، زمانہ کے طبعی تقاضا، کسی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کی خلاف ورزی تو نہیں لازم آتی، جن سے کسی طرح بھی شان نبوت پر حرف آئے، یا فرمودات نبوی میں سطحیت ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو" (۸۷)۔

(ب) اصطلاحی مفہوم:

جہاں تک درایت کے اصطلاحی مفہوم کا تعلق ہے تو اس کا مفہوم علماء نے عموم و خصوص کے اعتبار سے بیان کیا ہے:

۱۔ عام اصطلاحی مفہوم

علامہ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: "علم الحدیث جو درایت سے مختص ہے وہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعے روایت کی حقیقت، اس کی شرائط، اس کی انواع، اس کے احکام، راویوں کے احوال اور ان کی شرائط، مرویات کی اقسام اور ان کے متعلقات کی معرفت حاصل ہوتی ہے" (۸۸)۔

عزالدین ابن جماعہ فرماتے ہیں: "درایتی علم حدیث ان قوانین کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ سند اور متن کے احوال کی معرفت حاصل ہوتی ہے" (۸۹)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ عام اصطلاحی مفہوم ہے یعنی سند اور متن دونوں کو شامل ہے۔ وجہ اس عمومیت کی یہ ہے کہ اصول روایت (یعنی خارجی نقد حدیث کے اصولوں) میں سے بعض ایسے اصول بھی ہیں جو اصول درایت (یعنی داخلی نقد حدیث کے اصولوں) میں بھی شامل ہیں۔ اسی اشتراک کے پیش نظر "محدثین نے درایت کی ایسی تعریف کی ہے جو دونوں (یعنی سند و متن) پر صادق آتی ہے" (۹۰)۔ جیسا کہ اوپر والی دو تعریفیں۔ داخلی و خارجی نقد کے مشترکہ اصول یہ ہیں: شاذ، معلل، منکر، مضطرب، مصحف، مقلوب، مدرج وغیرہ" (۹۱)۔

خارجی نقد (اصول روایت) کے بعض اصولوں کا تعلق داخلی نقد (اصول درایت) سے بھی ہے، چنانچہ صبحی صالح لکھتے ہیں:

"فن اصول حدیث کی تعریف سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ فن صرف اسناد ہی کے مباحث تک محدود نہیں ہے بلکہ متن سے متعلق مسائل بھی اس میں شامل ہیں" (۹۲)۔

جو اصول داخلی نقد کیلئے خاص ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: مرفوع، موقوف، مقطوع، مختلف الحدیث اور ناسخ و منسوخ وغیرہ" (۹۳)۔

اصل میں یہی وہ اشتراک واختصاص ہے جسکی بنیاد پر محدثین نے علم درات کی ایسی تعریفیں کی ہیں جن میں علم روایت بھی شامل ہے۔ یہاں تک درایت کا عام اصطلاحی مفہوم بیان ہوا ہے۔ اب ذیل میں خاص اصطلاحی مفہوم بیان کیا جاتا ہے:

درایت کا خاص اصطلاحی مفہوم

یعنی درایت صرف متن حدیث تک محدود ہے اور سند کی تحقیق اس میں شامل نہیں ہے۔ چنانچہ طاش کبری زادہ لکھتے ہیں:

"درایت حدیث وہ علم ہے جس میں الفاظ حدیث سے سمجھے گئے مفہوم و مراد سے بحث ہوتی ہے، جبکہ وہ عربی قواعد و شرعی ضوابط پر مبنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے مطابق ہو" (۹۴)۔

درایت کے اس مفہوم کو عبد اللہ العمادی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"درایت کا مطلب یہ ہے کہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہو اس کی نسبت پہلے یہ تنقیح کر لینا چاہیے کہ: (۱) یہ بات انسانی فطرت کے موافق ہے یا نہیں؟ (۲) جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے اس زمانہ کی خصوصیتیں اس میں کہاں تک موجود ہیں؟ (۳) قرینۂ عقلی اس کی نسبت کیا کہہ رہا ہے؟ (۴) جس شخص سے واقعہ منسوب ہے وہ عادۃً اس قسم کی باتوں کا خوگر بھی تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تھا تو پھر خاص واقعہ کے اسباب کیا ہیں" (۹۵)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماخذ

اصول روایت کی طرح اصول درایت کا ماخذ و مصدر قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

قرآن مجید اور اصول درایت

قرآن مجید کی یہ آیات اصول درایت کا ماخذ و مصدر ہیں:

۱۔ بعض منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی پھر اس خبر کو اس طرح مشہور کیا کہ بعض مسلمان بھی تردد و تذبذب کا شکار ہوگے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی برأت و طہارت کے ثبوت میں چند آیات کو نازل فرمایا، ایک ان میں سے یہ ہے:

ولولا اذ سمعتموه قلتم مايكون لنا ان نتكلم بهذا سبحنك هذا بهتان عظيم(۹۶)

(اور جب تم نے اس خبر کو سنا تو کیوں نہیں کہدیا کہ ہمارے لیے ایسی بات کہنا مناسب نہیں، سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے)

اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس خبر بے بنیاد کو سننے کے بعد تمہیں اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ انتہائی نامعقول بات ہونے کے باعث درایۃ بالکل ساقط الاعتبار تھی"(۹۷)۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: "عام اصول کی بناء پر اس چیز کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کیے جاتے پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایہ ہیں یا نہیں؟ پھر ان کی شہادت لی جاتی، لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سنتے ہی تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے"(۹۸)۔

پھر لکھتے ہیں: "اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہے کہ غلط ہے"(۹۹)۔

۲۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے درایت پر زور دیتے ہوئے مخاطبین کے سامنے اپنی صفائی ان الفاظ میں پیش فرمائی:

فقد لبثت فيكم عمرا من قبله افلا تعقلون (۱۰۰).

(آخر اپنے دعوی نبوت سے قبل بھی) میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تمہارے درمیان ہی گزارا ہے (پھر کبھی جھوٹ بولا) تو کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے)۔

اس "آیت میں صحت کی ضمانت زندگی کے اس حصہ کے لیے پیش کی گئی ہے جو قبل نبوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے تو بعد نبوت کی زندگی اور اس کے فرمودات میں کیونکر ایسا نقص پایا جائے گا جس سے علم و عقل کی خلاف ورزی لازم آئے"(۱۰۱)۔

۳. واذا جآء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوابہ ولوردوہ الی الرسول والی اولی الا مر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم(۱۰۲).

(جب ان کے پاس کوئی امن یا ڈر کی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اگر اس کو رسول یا اپنے اولوالامر (علماء و حکام) تک پہنچا دیتے تو جو ان میں ملکۂ استنباط رکھنے والے ہیں وہ اس کو پوری طرح معلوم کر لیتے)۔

اس آیت میں یہ بتایا کہ ہر خبر کی تحقیق کا ہر انسان اہل نہیں ہوتا۔ بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تحقیق خاص تحقیقی اہلیت کے مالک افراد ہی کر سکتے ہیں اور وہ ہیں "اولوالامر" یعنی العلماء والفقہاء جو تحقیق و تنقید کے ذریعہ احکام و مسائل کے استنباط کا ملکہ رکھتے ہوں، اور آیت میں "یستنبطونہ" کا اضافہ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اس داخلی نقد و تحقیق کا زیادہ استحقاق ایسوں ہی کا ہوتا ہے جو استنباط کی پوری اہلیت رکھتے ہوں۔

علامہ تقی امینی لکھتے ہیں:

"اس آیت میں خبر کی حیثیت متعین کرنے کی جس انداز میں تاکید ہے، اس سے ظاہر ہے کہ صرف راوی کی ثقاہت ہی خبر پر اعتماد کے لئے کافی نہیں ہے، پھر جس خبر سے شان نبوت پر حرف آئے یا معیار نبوت برقرار نہ رہ سکے، اس میں راوی کی ثقاہت کو بدرجۂ اولی ناکافی قرار دے کر اصل زور نفس خبر (داخلی نقد) پر ہوگا، جس کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا جائے گا"(۱۰۳)

۴. یآیھاالذین امنوا ان جآء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبواقوما بجھالۃفتصبحواعلی مافعلتم ندمین"(۱۰۴).

یہ آیت مبارکہ جس طرح اصول روایت کا ماخذ و مصدر ہے اسی طرح اصول درایت کیلئے بھی ماخذ و مصدر ہے، چنانچہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں "حدیث" کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ:

"اصول روایت و درایت کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کی ہے اور حکم دیا ہے کہ روایت کی چھان بین کر لیا کرو" مذکورہ آیت "اس میں راویت و درایت دونوں جہتوں سے اچھی طرح تحقیق کرنے کی ہدایت موجود ہے"(۱۰۵)۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ اصول درایت یوں ہی مرتب نہیں ہوگئے بلکہ ان میں قرآن مجید پوری طرح کارفرما ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیث نبوی اور اصول درایت

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی درج ذیل احادیث اصول درایت کا ماخذ و مصدر ہیں:

۱۔ "ابو اسید الساعدی کی یہ حدیث: "جب تم کوئی ایسی حدیث سنو جو آپ کے دل کو لگے اور آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور اس کو اپنے سے قریب سمجھو تو میں اس کا آپ سے زیادہ حقدار ہوں، اور جب آپ کوئی ایسی حدیث سنیں جسے آپ کے دل قبول نہ کریں اور آپ کے بدن کے بال و کھال اس سے نفرت کریں اور اپنے سے اسے دور تصور کرو تو میں اس سے آپ کے مقابلہ میں زیادہ دور ہوں" (۱۰۶)

۲۔ "جب آپ کے سامنے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے آپ کے دل کو نفرت ہو تو اسے حاصل نہ کرو (یعنی قبول نہ کرو) کیونکہ میں نہ تو منکر (نامناسب) بات کہتا ہوں اور نہ ہی میرے اندر اس کی اہلیت ہے" (۱۰۷)"

درایت (یعنی داخلی نقد) کے اصولوں کے ان ہی دونوں ماخذوں کی بنیاد پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث کے متون کی جانچ پرکھ کیا کرتے تھے۔ ذیل میں ان اصولوں کے تاریخی پس منظر کو مختصرا پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تحقیق متون حدیث میں کس طرح انھیں استعمال کیا گیا:

صحابہ کرامؓ اور اصول درایت

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کو خود تحقیق احادیث کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، جب انھیں کوئی شک پڑتا یا کوئی مشکل پیش آتی تو براہ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخصت ہو جانے کے بعد احادیث کی تعلیم و تدریس اور انھیں آگے منتقل کرنے کی تمام تر ذمہ داری صحابہ کرامؓ کے کندھوں پر آن پڑی۔ تو اب دینی تقاضہ کے پیش نظر ضروری تھا کہ احادیث بیان کرنے والوں کے ساتھ ساتھ ان کے مضامین (متون) پر بھی گہری نظر رکھی جائے اور قرآن و حدیث کے قائم کردہ اصول درایت کی روشنی میں پرکھتے ہوئے ان کی قبولیت یا عدم قبولیت کا فیصلہ صادر کیا جاتا۔ صحابہ کرامؓ نے عملاً اس طرز تحقیق (یعنی روایت کو درایت پر پرکھنے) کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ذیل میں اختصار کے پیش نظر اس سلسلہ کی صرف دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث بیان کی کہ:

"جس شخص نے صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے "لاالہ الااللہ" کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ حرام کردی تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے سن کر فرمایا خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ جو تم نے کہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی نہ فرمایا ہوگا" (۱۰۸)۔

علامہ تقی امینی لکھتے ہیں: "اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے چونکہ عمل کی اہمیت گھٹتی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درایت کے خلاف ہے اس بناء پر ابتدائی مرحلہ میں حضرت ابو ایوب انصاری کو اس کو قبول کرنے میں تامل ہوا لیکن حدیث کا محمل متعین ہونے کے بعد تامل کی گنجائش نہیں رہتی، وہ یہ کہ لاالہ الااللہ کہنے کامقصد یہ ہے کہ اس کے تقاضے پر عمل بھی کیا ہو جو خالص رضائے الہی کے لیے کہنے کا لازمی نتیجہ ہے"(۱۰۹)۔

۲۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے فرمایا کہ "آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے" تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو"(۱۱۰)۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نے ابن عباسؓ کی جانب سے اس حدیث کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابوحریرۃؓ کو ضعیف الروایۃ نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے (اس کو) تسلیم نہیں کیا اور یہ خیال کیا کہ (حضرت ابوحریرۃ کو) سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو گی"(۱۱۱)۔

یہ دو مثالیں اور جو ان کے علاوہ اس قبیل سے متعلق ہیں (۱۱۲) واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ابتدائی دور ہی سے متون احادیث کی تحقیق و تنقید میں درایت (داخلی نقد) کے اصولوں کا عملاً استعمال کیا گیا گویا درایت (داخلی نقد) کے اصولوں کا استعمال روایت (خارجی نقد) کے اصولوں سے بہت پہلے ہوا ہے، چنانچہ مولانا تقی امینی لکھتے ہیں:

"علوم حدیث میں سب سے پہلے داخلی نقد کا وجود ہوا، جیسا کہ دور صحابہ کی بعض مثالیں گزر چکی ہیں، خارجی نقد کا وجود بہت بعد میں ہوا۔۔۔۔"(۱۱۳)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اہتمام والتزام سے بعد میں آنے والے محدثین وفقہاء حضرات کے لیے راہیں ہموار ہو گئیں۔ یہاں ہم اختصار کے پیش نظر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ اصول درایت کا استعمال محدثین نے زیادہ کیا یا فقہاء نے؟ لیکن اتنا بتانا ضروری ہے کہ جب اور جہاں کہیں بھی احادیث وضع کر کے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی جانب منسوب کی گئیں تو ان حضرات نے خوب تعاقب کیا اور اصول درایت کی روشنی میں اصلی و جعلی احادیث میں حد فاصل قائم کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ محدثین اور فقہاء حضرات کے اس بے مثل اہتمام کا منہ بولتا ثبوت وہ ضخیم و قیم کتب ہیں جو اس وقت اسلامی امت کے پاس احادیث کی انواع پر الگ الگ مدونہ صورت میں موجود ہیں۔ چنانچہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اسی اہتمام کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"متن حدیث کی صحت معلوم کرنے کی غرض سے محدثین نے درایت کے اصول متعین کئے۔ لفظ، معنی، عبارت اور طرز بیان ہر ہر لحاظ سے اس کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا۔ صحیح، ضعیف اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع، ان کے الگ الگ خصائص بیان کئے، ان کے اوصاف متعین کئے اور تمام ذخیرہ ہائے حدیث کو کھنگال کر ہر حدیث پر حکم لگایا اور ایک نوع کو دوسرے سے الگ کر دیا" (۱۱۴)۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"امام بخاری، امام مسلم، ابوداود، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ اجمعین نے جس طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر صحیح احادیث جمع کیں اور ان کو مرتب کیا۔ اسی طرح بعض محدثین نے موضوع حدیثوں کو جمع کیا اور ان کو کتاب کی شکل میں ترتیب دیا۔ تاکہ ۔۔۔۔۔۔ رات کو دیکھ کر لوگوں کو دن کی پہچان ہوجائے ۔۔۔۔۔" (۱۱۵)۔

"چنانچہ امام بخاری، امام نسائی، امام صنعانی، امام مسلم، علامہ ابن جوزی رحمہم اللہ اجمعین نے کتاب الضعفاء یا موضوعات کے نام سے کتابیں لکھیں (کشف الظنون ج ۲ ص: ۱۸۴)۔ ان کے علاوہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے موضوعات اور علامہ محمد طاہر بن علی نے تذکرۃ الموضوعات لکھی ہے جس کے ذیل میں قانون الموضاعات والضعفاء بھی ہے" (۱۱۶)۔

درایت (داخلی نقد حدیث) کے اصول

ذیل میں محدثین حضرات کے متعین کردہ درایت کے ان اصولوں کو بیان کیا جاتا ہے جن سے قبولیت احادیث کے بلند معیار کے ساتھ ساتھ ان کی اصلی صورت معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

اختصار کے پیش نظر اصولوں کے ساتھ وضاحت کیلئے امثلہ ذکر نہیں کی جارہی ہیں، اصول یہ ہیں:

۱۔ حدیث میں لفظی و معنوی رکاکت (سطحیت) نہ ہو۔

۲۔ حدیث میں خوبصورت چہرے کی تعریف، ان کی طرف دیکھنے اور ان سے حاجت طلب کرنے کا حکم یا آگ کا عذاب ان کو نہ ہونے کی خبر ہو۔

۳۔ حدیث میں مختلف پیشوں اور ان کے اختیار کرنے والوں کی برائی بیان کی گئی ہو۔

۴۔ حدیث میں خاندان یا قوم یا شہر کی برائی ہو۔

۵۔ حدیث میں ایسی بے ڈھنگی اور اوٹ پٹانگ باتیں پائی جاتی ہوں جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شان سے بعید ہوں۔

۶۔ حدیث میں لغویت، تمسخر اور کم عقلی و بے وقوفی کی بات پائی جائے جس سے ذمہ دار لوگ پرہیز کرتے ہیں۔

۷۔ حدیث میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی پیدائش کے واقعہ کی تشریح ایسے اسلوب سے ہو کہ نبوت پر حرف آئے اور معیار نبوت برقرار نہ رہے۔

۸۔ حدیث میں کلام، انبیاء علیہم السلام کے کلام کے مشابہ نہ ہو چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسلم کا کلام جس کو مختلف وجوہ سے فوقیت حاصل ہو۔

۹۔ حدیث میں ایسا کھلا بطلان ہو جو خود دلالت کرتا ہو کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا کلام نہیں ہوسکتا۔

۱۰۔ حدیث محسوس، عام مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو۔

۱۱۔ حدیث عقل عام کے خلاف ہو یعنی فرد واحد یا کسی طبقہ کی عقل کے خلاف نہیں، بلکہ عام طور پر لوگ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔

۱۲۔ حدیث شہوت و فساد کی رغبت دلاتی ہو۔

۱۳۔ حدیث حکمت و اخلاق کے عام اصول کے خلاف ہو۔

۱۴۔ حدیث قواعد طب (جن پر اتفاق کیا گیا ہو) کے خلاف ہو۔

۱۵۔ حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو۔

۱۶۔ حدیث کے خلاف ایسے صحیح شواہد موجود ہوں جن سے اس کا باطل ہونا ظاہر ہوتا ہو۔

۱۷۔ حدیث اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و کمال کے خلاف ہو۔

۱۸ حدیث صداقت قرآن کے خلاف ہو۔

۱۹۔ حدیث سنت صریحہ کو واضح طور پر توڑنے والی ہو۔

۲۰۔ حدیث ان تمام قواعد کے خلاف ہو جو قرآن و سنت سے مستنبط کئے گئے ہوں۔

۲۱۔ حدیث میں آئندہ واقعات کی ایسی پیشن گوئی ہو جو ماہ اور سال (سن) کے تعین کے ساتھ ہو۔

۲۲۔ حدیث میں چھوٹے کام پر بھاری ثواب کی بشارت ہو۔

۲۳۔ حدیث میں چھوٹی بات پر سخت وعید کا مبالغہ ہو۔

۲۴۔ حدیث روایت کرنے میں کوئی مفاد، گروہی تعصب، اور دین و مسلک کے اختلاف کو دخل ہو۔

ان اصولوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل علم نے حدیثوں کے جانچنے کے لئے کس قدر بلند معیار قائم کیا (۱۱۷)۔

نتائج

اصول روایت و درایت کا جائزہ لینے کے بعد جو نتائج سامنے آسکتے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث مبارکہ کا تمام تر ذخیرہ (ابتداء سے لیکر تکمیل تدوین تک) تحقیق و تدقیق کے ساتھ نہایت ہی موثق و متین انداز سے منتقل ہوا اور اس انتقال میں خوب احتیاط سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کام لیا جاتا رہا۔

۲۔ مسلمانوں نے اصول روایت و درایت کو حفاظتی انتظامات کے طور پر ایجاد کیا تاکہ احادیث نبویہ کی صحت و حجیت میں شکوک و شبہات کی راہیں بند ہو جائیں۔

۳۔ تحقیق کے بغیر باتوں کو بیان نہیں کرنا چاہیے اور باتیں بیان کرنے والوں کے متعلق بھی تحقیق کر لینی چاہیے۔

۴۔ فقہاء نے احادیث کے تنقیدی مطالعہ سے استفادہ کر کے اپنے اپنے فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی۔

۵۔ راوی کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو اس کی روایت خلاف قیاس ہے تو ثقاہت اس کو صحیح نہیں بنا سکتی۔

۶۔ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ روایت و درایت کے اصولوں میں بھی ترقی ہوتی رہی، حتی کہ اسناد، جرح و تعدیل، احوال رواۃ، ہر ایک کے لیے الگ الگ مستقل فن مرتب ہوئے۔

۷۔ حدیث کی جانچ پرکھ کے نتیجہ میں صحاح ستہ، جو کہ اسلام کا نہایت ہی قیمتی اثاثہ ہے، مرتب ہوئیں۔

۸۔ حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے ہر کس و ناکس مجاز نہیں ہو سکتا۔ اس عمل کے وہی لوگ حقدار ہیں جو مکمل اہلیت رکھتے ہوں۔

۹۔ محدثین نے احادیث کی صحت و عدم صحت دریافت کرنے میں تحقیق کے دونوں یعنی روایتی و درایتی اصولوں کا مساویانہ طور پر استعمال کیا۔

۱۰۔ محققین نے صرف ثقہ راویوں کے حالات دنیا کے سامنے بیان نہیں کیئے بلکہ ضعفاء، وضاعین اور کذابین کو بھی سامنے لائے۔

۱۱۔ روایت و درایت کے اصولوں کو جن کتب میں بیان کیا جاتا ہے انھیں " کتب اصول حدیث" کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ جہاں تک مستشرقین اور منکرین حدیث کا تعلق ہے تو ان کے شبہات و اعتراضات کا جائزہ لینے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے انتقال حدیث کے عمل میں مسلمانوں کے وضع کردہ روایت و درایت کے محیر العقول اصولوں کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا، جس کی وجہ سے ناانصافیوں اور بے اعتدالیوں کا شکار ہوئے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے۔ اگر وہ انھیں ملحوظ خاطر رکھتے تو احادیث نبویہ کے متعلق شکوک و شبہات میں نہ پڑتے اور معاندانہ رویوں سے کام نہ لیتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات و حواشی

۱- مناظر احسن گیلانی، تدوین حدیث، مقدمہ از سید سلیمان ندوی (کراچی، مکتبہ اسحاقیہ، سن-ن) ص: ۷

۲- ایضاً-

۳- ایضاً-

۴- ایضاً-

۵- محمد جعفر الکتانی، الرسالۃ المستطرفۃ (کراچی، اصح المطابع، س-ن) مقدمہ-

۶- ایضاً-

۷- محمد علی صدیقی کاندھلوی، امام اعظم اور علم الحدیث (سیالکوٹ، انجمن دارالعلوم الشھابیۃ، ۱۹۸۱) ص ۵۴۶-

۸- ڈاکٹر نجم الاسلام، تحقیق کے روایتی اسلوب، در تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات، مرتبہ: اعجاز راہی (اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان ۱۹۸۶، ط اول) ص ۱۴۸-

۹- دیکھئے پنجاب یونیورسٹی، دائرہ معارف اسلامیہ، (۱۹۷۱، ط اول) ج ۷ ص ۹۷۵-

۱۰- القرآن الکریم، الحجرات، ۶-

۱۱- امام مسلم بن الحجاج القشیری (۲۶۱ھ)، صحیح مسلم (الجامع الصحیح) مقدمہ، شارح: امام یحی بن شرف النووی (مکتبۃ الغزالی، دمشق، موسسۃ مناھل العرفان، بیروت، س-ن) ج ا ص ۷۳-

۱۲- مثلاً دیکھئے علامہ خطیب بغدادی الرحلۃ فی طلب العلم، تحقیق: ڈاکٹر نور الدین عتر (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۷۵، ط اولی)، علامہ ابن عبد البر الاندلسی، جامع بیان العلم وفضلہ، مترجم: عبد الرزاق ملیح آبادی (ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۷۷- ط اول) باب، طلب علم میں سفر-

۱۳- امام ابو عبد اللہ شمس الدین الذھبی، تذکرۃ الحفاظ (حیدر آباد، دکن ۱۹۵۵) ج ا ص ۲-

۱۴- امام مالک (۱۷۹ھ)، موطا، کتاب الفرائض، باب میراث الجدۃ

۱۵- توابع: تابع کی جمع ہے- تابع ہی کا دوسرا نام "متابع" بھی ہے اور یہ تابع کا اسم فاعل ہے بمعنی موافقت- اصطلاح میں متابع کے معنی ہیں کسی راوی کا دوسرے کے ساتھ کسی حدیث کی روایت میں شریک ہونا خواہ یہ مشارکت لفظی اور معنوی ہو یا صرف لفظی ہو- شواہد: شاہد کی جمع ہے شاہد شہادت کا اسم فاعل ہے- شاہد نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس حدیث فرد کی اصلیت ہے- اصطلاح اصول حدیث میں شاہد اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں اس کے راویوں کی حدیث فرد کے راویوں کے ساتھ لفظی اور معنوی یا صرف معنوی طور پر مشارکت ہو جائے لیکن صحابی میں اختلاف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو یعنی ان راویوں نے الگ الگ صحابیوں سے روایتیں کی ہوں۔(ڈاکٹر محمود طحان تیسیر مصطلح الحدیث، دار الکتب العربیۃ، پشاور، سن ن، ص ۱۴۰)۔

۱۶۔ مولانا محمد محترم فہیم عثمانی، حفاظت و حجیت حدیث(دار الکتب لاہور ۱۹۸۹، ط دوم) ص ۲۳۸-۲۳۹۔

۱۷۔ مولانامناظر احسن گیلانی، تدوین حدیث محولہ بالاص ۴۶۔

۱۸۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، محولہ بالاج ۱ص ۶۔

۱۹۔ امام مالک، موطا، کتاب الجامع، باب الاستئذان۔

۲۰۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، محولہ بالاج ۱ص ۱۰۔

۲۱۔ ایضاًج ۱ص ۷۔

۲۲۔ ایضاج ۱تذکرۃ علی رضی اللہ عنہ۔

۲۳۔ اس نوعیت کی مثالوں کیلئے دیکھئے: ابن ماجہ، محمد بن یزید قروینی، تحقیق: محمد فواد عبدالباقی(عیسی البابی الحلبی، مصر۱۹۵۲)ج ۱ ص ۸، ابن جنبل شیبانی، اللام، مسند، تحقیق: احمد شاکر(دار المعارف، قاہرہ)ج ۶ ص ۴۶، محمد ابوزھو، الحدیث والحدثون(مصر، ۱۹۵۸، ط اولی)ص ۷۰-۷۲۔

۲۴۔ الذہبی، تذکرۃ، ج ۱ص ۱۵۔

۲۵۔ سعید احمد اکبر آبادی، فہم قرآن، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۲،ط اول)ص ۱۱۸، ۱۱۹۔

۲۶۔ امام بخاری، محمد بن اسماعیل(۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح(دار الفکر بیروت، سن-ن) کتاب العلم، ج ۱ص ۳۵، امام مسلم، صحیح مسلم، محولہ بالا، باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۷۔ محمد معراج الاسلام، منہاج البخاری(عرفان القرآن اعوان ٹاؤن لاہور، سن-ن)ج ۱ص ۱۵۵۔

۲۸۔ ایضاً۔

۲۹۔ مولانا تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار(قدیمی کتب خانہ، کراچی ۱۹۸۶)ص ۱۲۸۔

۳۰۔ امام مسلم، صحیح مسلم، محولہ بالاج ۱(مقدمہ) باب بیان ان الاسناد من الدین۔

۳۱۔ مولانا نعمت اللہ، نعمت المنعم، اردو شرح مقدمہ مسلم(قدیمی کتب خانہ، کراچی، سن-ن)ص ۸۸۔

۳۲۔ دیکھئے معراج الاسلام، منہاج البخاری، محولہ بالاج ۱ص ۱۵۵، ۱۵۶، بتلخیص و تغیر یسیر۔

۳۳۔ امام مسلم، صحیح مسلم(مقدمہ)، باب الاسناد من الدین۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۴- اکبر آبادی، فہم قرآن، محولہ بالاص ۱۴۵-
۳۵- مولانا شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، س-ن، ط اول) ج ا ص ۶۳، ۶۴-
۳۶- ایضاً، ج ا ص ۶۴-
۳۷- راغب الطباخ، الثقافۃ الاسلامیۃ کااردو ترجمہ بنام "تاریخ افکار علوم اسلامی" مترجم: افتخار احمد بلخی (اسلامک پبلیکیشنز، لاہور ۱۹۸۷، ط ۴) ص ۴۳۸ (حاشیہ)-
۳۸- شبلی نعمانی، سیرت النبی، محولہ بالاج ا ص ۶۴ (حاشیہ)-
۳۹- کتب کیلئے دیکھئے، تقی الدین ندوی، الدکتور، علم رجال الحدیث (مکتبہ الفردوس، لکھنؤ، ۱۹۸۵) ص ۱۴۸-۱۵۵، اکبر آبادی، فہم قرآن، محولہ بالاص ۱۵۲- ۱۵۳-
۴۰- اکبر آبادی، فہم قرآن، ص ۱۵۲- ۱۵۳-
۴۱- ڈاکٹر مصطفی السباعی، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی، کا اردو ترجمہ بنام "حدیث رسول کا تشریعی مقام" مترجم غلام احمد حریری (ملک سنز پبلیشرز فیصل آباد، س ن) ص ۱۸۱، ۱۸۲-
۴۲- محمد جمال الدین القاسمی، قواعد التحدیث فی فنون مصطلح الحدیث (دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۷۹، ط اولی) ص ۱۲۷-
۴۳- ڈاکٹر محمود طحان، تیسیر مصطلح الحدیث (دارالکتب العربیۃ پشاور، س-ن) ص ۱۸۰-
۴۴- ڈاکٹر نجم الاسلام، تحقیق کے روایتی اسلوب، در تحقیق اور اصول وضع مصطلحات، مرتب اعجاز راہی (مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۶، ط اول) ص ۱۵۱-
۴۵- ایضاً-
۴۶- نعمت اللہ، نعمت المنعم، محولہ بالاص ۸۹-
۴۷- ڈاکٹر مصطفی اعظمی، دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینہ (المکتب الاسلامی، ۱۹۹۲) ج ا ص ۳۹۱، بحوالہ MISHNA,P. 446
۴۸- ایضاً، ---نیز تفصیل کے لیے دیکھئے ناصرالدین الاسد، مصادر الشعر الجاہلی (دارالجیل، بیروت ۱۹۸۸ ط ۷) ص ۲۵۵-۲۶۷-
۴۹- علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون، مقدمہ (موسسۃ الاعلمی، بیروت، س-ن) ص ۴۴۴، ۴۴۵-
۵۰- مولانا تقی الدین ندوی، محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے (مجلس نشریات، کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سن۔ن)ص ۷۸، بحوالہ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد ج ۱ص ۴۱۹۔

۵۱۔ ایضا، بحوالہ موفق، منقب الامام ابی حنیفہ ج ۲ ص ۱۹۷۔

۵۲۔ ایضا، بحوالہ اصول (السرخسی ج ۱ص ۲۶۴۔

۵۳۔ مقدمہ ابن خلدون محولہ بالاص ۴۴۵۔

۵۴۔ تقی الدین ندوی، محدثین عظام محولہ بالاص ۷۹، بحوالہ الجواہر المصنفیۃ، امام ابوحنیفہ ص ۲۔

۵۵۔ ایضاص ۷۹، بحوالہ المیزان الکبری ج ۱ص ۶۲۔

۵۶۔ ایضاص ۷۹، ۸۰، بحوالہ امام ذہبی، مناقب ابی حنیفہ ص ۲۰۔

۵۷۔ ایضاص ۸۰۔

۵۸۔ ایضاص ۸۰،۸۱۔

۵۹۔ ایضا۔

۶۰۔ ایضا۔

۶۱۔ ایضا، بحوالہ علامہ سخاوی، فتح المغیث ص ۴۷۹۔

۶۲۔ مولانا بدرعالم، ترجمان السنۃ (سعید کمپنی، کراچی، سن۔ن) ج ۱ص ۲۴۱۔

۶۳۔ ایضاص ۲۴۲، بحوالہ، تہذیب الاسماء للنووی ص ۲۔

۶۴۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغۃ، مترجم: مولانا عبدالحق حقانی (حامد اینڈ کمپنی، لاہور، سن۔ن)ص ۲۵۰۔

۶۵۔ ندوی، محدثین عظام، محولہ بالاص ۱۰۳۔

۶۶۔ ڈاکٹر علامہ خالد محمود، آثار الحدیث (دار المعارف، لاہور ۱۹۸۸، ط اول) ج ۲ص ۲۸۹، ۲۹۰۔

۶۷۔ تدوین حدیث اور اصول روایت، سہ ماہی فکرونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ج ۲۸، ش ۱ستمبر ۱۹۹۰، ص ۲۹۔

۶۸۔ بدرعالم، ترجمان السنۃ، محولہ بالاج ۱ص ۲۴۵۔

۶۹۔ تقی الدین ندوی، محدثین عظام محولہ بالاص ۱۲۱۔

۷۰۔ بدرعالم، ترجمان السنۃ، محولہ بالاج ۱ص ۲۴۸، بتلخیص۔

۷۱۔ راغب الطباخ الثقافۃ الاسلامیۃ، مترجم: افتخار احمد بلخی، محولہ بالاج ۱ص ۴۱۶، (حاشیہ) بحوالہ فیض الباری ج ۱ص ۲۴۔۲۵۔

۷۲۔ ان شروط کی تفصیل کیلئے دیکھئے راقم کا مقالہ "تحمل حدیث کے اسالیب ومناہج" سہ ماہی فکرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ج ۳۴، ش ۳، ص ۹-۱۶۔

۷۳۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، باب الایلاء

۷۴۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، محولہ بالا ج ا ص ۸۶۔

۷۵۔ دیکھئے سابق حوالہ ج ا ص ۸۰، ۸۱

۷۶۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمن، فتح المغیث (ناشر احمد نشات محمود شکر، الازھر الشریف) ص ۱۲۰۔

۷۷۔ ایضا ۱۲۱۔

۷۸۔ عبادلہ اربعہ سے مراد عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھم ہیں (عبداللہ بن مسعود کی وفات پہلے ہو چکی تھی)۔ یہ چاروں اگر کسی امر پر متفق ہوں تو کہا جاتا ہے کہ یہ عبادلہ کا قول ہے (الدکتور تقی الدین ندوی مظاھری، علم رجال الحدیث ص ۵۸)۔

۷۹۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، محولہ بالا ج ا ص ۸۴، ۸۵، بحوالہ نور الانوار ص ۱۷۶۔

۸۰۔ الثقافۃ الاسلامیۃ، مترجم: افتخار احمد بلخی (تاریخ افکار علوم اسلامی) محولہ بالا ج ا ص ۴۰۷۔

۸۱۔ دیکھئے سابق حوالہ ج ا ص ۴۰۹ (حاشیہ) بتغییر یسیر۔

۸۲۔ اکبر آبادی، فہم قرآن، محولہ بالا ص ۱۵۸، بحوالہ توجیہ النظر ص ۳۰۔

۸۳۔ ایضا ص ۱۵۹۔

۸۴۔ صبحی صالح، علوم الحدیث و مصطلحہ، مترجم: غلام احمد حریری (تاجران کتب، فیصل آباد، ۱۹۸۱، ط ۳) ص ۲۵۳۔

۸۵۔ یحی بن شرف النووی، مقدمہ شرح صحیح مسلم، محولہ بالا ج ا ص ۳۶۔

۸۶۔ علامہ راغب اصفہانی، حسن بن محمد بن المفضل (۵۰۲ھ)، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق وضبط: محمد سید کیلانی (اصح المطابع کراچی، س-ن) کتاب الدال، ص ۱۶۸۔

۸۷۔ تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، محولہ بالا ص ۱۵۔

۸۸۔ علامہ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی (میر محمد کتب خانہ، کراچی ۱۹۷۲، ط ۸) ج ا ص ۴۰، بحوالہ ابن الاکفانی (۷۹۴ھ) "ارشاد المقاصد الی اسنی المطالب "فی موضوعات العلوم۔

۸۹۔ تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، محوالہ بالا ص ۱۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۰- ایضاً ص ۲۶۶-

۹۱- ان اصولوں کی تفصیل کیلئے دیکھئے سابق حوالہ ص ۲۶۲-۲۶۵-

۹۲- صبحی صالح، علوم الحدیث و مصطلحہ، محولہ بالا ص ۲۵۶-

۹۳- ان اصولوں کے تعارف کیلئے دیکھئے، تقی امینی، محولہ بالا ص ۲۵۹-۲۶۳-

۹۴- تقی امینی، درایتی معیار، محولہ بالا ص ۱۷ بحوالہ طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ، درایۃ الحدیث، حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۱ علم الحدیث، نواب صدیق حسن خان، ابجد العلوم، ج ۲، علم الحدیث الشریف-

۹۵- عبداللہ العمادی، علم الحدیث (مکتبہ نشاۃ ثانیہ، معظم جاہی مارکٹ حیدر آباد (اے پی) سن-ن) ص ۳۵-

۹۶- القرآن الکریم، سورۃ النور، ۱۶-

۹۷- اکبر آبادی، فہم قرآن، محولہ بالا، ص ۱۷۱-

۹۸- شبلی نعمانی، سیرت النبی، محولہ بالا ج ۱ ص ۶۷-

۹۹- ایضاً-

۱۰۰- القرآن المجید، سورۃ یونس، ۱۶-

۱۰۱- تقی امینی، محولہ بالا ص ۱۸۰-

۱۰۲- القرآن الکریم، سورۃ النساء، ۸۳-

۱۰۳- تقی امینی، محولہ بالا ص ۲۷۶-

۱۰۴- القرآن المجید، الحجرات:۶-

۱۰۵- پنجاب یونیورسٹی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۷ ص ۹۷۲، ۱۹۷۱، ط اول-

۱۰۶- ابن حنبل، امام احمد بن حنبل شیبانی (۲۴۱ھ)، مسند، حدیث ابی اسید الساعدی،

۱۰۷- تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، محولہ بالا ص ۱۸۲، بحوالہ ابوالحسن علی بن محمد کنانی، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ- فصل فی حقیقیۃ الموضوع-

۱۰۸- البخاری، محمد بن اسماعیل (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح، کتاب الصلاۃ، ابواب التہجد، باب صلوۃ النوافل جماعۃ-

۱۰۹- تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، محولہ بالا ص ۱۸۴-

۱۱۰- رواہ امام ترمذی فی جامعہ، باب الوضوء مما غیرت النار-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۱- شبلی نعمانی سیرت النبی محولہ بالاج ا ص ۶۷-

۱۱۲- مثلاً دیکھئے مشکاۃ، باب البکاء علی المیت، ابن جنبل، الامام، المسند ج ۲ ص ۳۱، ۳۸-

۱۱۳- تقی امینی، معیار، محولہ بالا ص ۲۷۶، ۲۷۷-

۱۱۴- اکبر آبادی، فہم قرآن، محولہ بالا ص ۱۷۹-

۱۱۵- ایضاً ص ۱۷۹، ۱۸۰-

۱۱۶- ایضاً، (حاشیہ)-

۱۱۷- مزید تفصیل اور مثالوں کیلئے دیکھئے :(۱) تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، محولہ بالا ص ۱۹۱-۲۵۹ (۲) ڈاکٹر مصطفی السباعی، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی کا اردو ترجمہ بنام "حدیث رسول کا تشریعی مقام، محولہ بالا ص ۱۵۸-۱۶۹- ۳۳۷ وما بعد ھا (۳) شبلی نعمانی، سیرت النبی محولہ بالاج ا ص ۶۷- ۷۱- (۴) صبحی صالح، علوم الحدیث- مترجم غلام احمد حریری، محولہ بالا ص ۳۵۳- ۳۷۰ (۵) اکبر آبادی، فہم قرآن، محولہ بالا ص ۱۷۳- ۱۸۳ (۶) عبداللہ العمادی، علم الحدیث، محولہ بالا ص ۳۶-۴۸ (۷) عثمانی، محمد محترم فہیم، حفاظت وحجیت حدیث، ص: ۴۹۸-۴۹۹، دارالکتب، لاہور ۱۹۸۹-

© rasailojaraid.com